احیائے اسلام میں عقیدے کا مقام

پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق ○

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَىٰ لِلْغُرَبَاءِ (صحیح مسلم) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام کا آغاز اجنبی کی حیثیت سے ہوا اور عنقریب پھر اسی طرح اجنبی ہو جائے گا جیسے شروع ہوا تھا، خوش بختی ہے اجنبیوں کے لیے''۔

اسلام کی ابتدا اس حالت میں ہوئی کہ کوئی اسے جانتا نہ تھا، پھر ایک وقت آیا کہ دنیا کے طول وعرض اسلام کی روشنی سے منور ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام ایک مرتبہ پھر اپنے ابتدائی دور کی طرح لوگوں کے لیے اجنبی ہو جائے گا۔ موجودہ زمانے میں ہم یہی صورتِ حال دیکھ رہے ہیں۔ اسلام کا اصل تصور اور مقصد اکثر لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہو گیا ہے، اور مسلمانوں کی حالت تو یہ ہو گئی ہے کہ ؎

تھا جو 'ناخوب' بتدریج وہی 'خوب' ہوا　　کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

عربی زبان میں 'احیاء' کا لفظ زندہ کرنے اور 'حیاتِ نو' دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ 'احیاء' کے مفہوم کو دیکھتے ہوئے 'احیائے اسلام' کے معنی اسلام کو دوبارہ زندہ کرنا یا اسے حیاتِ نو دینا ہوگا۔ یہ کام انفرادی اور اجتماعی سطح پر کرنا ہوگا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اسی طریقے پر ہوگا جیسے ابتدائے اسلام میں ہوا تھا، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ عصری تقاضوں سے صرفِ نظر کیا جائے۔ مشہور قول ہے کہ من لم یکن عالمًا بأهل زمانه فهو جاهل؛ ''جو شخص

○ پشاور میڈیکل کالج، پشاور

اپنے زمانے کے حالات سے آگاہ نہیں، وہ جاہل ہے''۔

سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ (الانفال ۸:۲۴) ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہو جب وہ تمھیں ایسی چیز کی طرف پکاریں جو تمھیں زندگی عطا کرے''۔ جب بھی احیائے اسلام کی مخلصانہ جدوجہد کی جائے گی، اللہ راہنمائی فرمائے گا: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ (العنکبوت ۲۹:۶۹)، ''اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے، ہم ان کو اپنے راستوں کی طرف رہنمائی کریں گے''۔

احیائے اسلام کا طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی صورت ہمارے پاس موجود ہے۔ ابتدائے اسلام کے تیرہ سال ایمان کو دل میں اتارنے اور عملی زندگی میں کارفرما کرنے کی مسلسل محنت پر لگے، پھر اگلے دس سال اس بنیاد پر ایک مضبوط عمارت کی تعمیر کی گئی۔ دینِ اسلام کی عمارت کی بنیاد عقیدے پر قائم ہوتی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ آج علم ہونے کے باوجود، عمل میں متوقع تبدیلی نظر نہیں آتی۔ اگرچہ علم کے نتیجے میں ہر انسان سے ایک ہی جیسے ردِّعمل کی توقع نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ اپنی فطری صلاحیت اور استعداد کے مطابق ہی علم سے اثر لیتا ہے۔ لیکن ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ استعداد ہوتے ہوئے اور عمل کو زبانی اور ذہنی طور پر صحیح سمجھتے ہوئے بھی لوگ زندگی کی عملی ترجیحات میں ایسا نہیں کرتے۔

احیائے اسلام کا عظیم کام کثیر الجہتی حکمت عملی کا تقاضا کرتا ہے، لیکن عقیدے اور ایمان کی عملی حقیقت کو سمجھے اور دل میں اتارے بغیر یہ بظاہر ممکن نہیں ہوگا۔ اسوۂ رسولؐ اللہ سے یہی سبق ملتا ہے۔ عصری تقاضوں کے مطابق احیائے اسلام کی جو بھی کوششیں کی جائیں اور جو حکمت عملی بھی اختیار کی جائے، چند اصطلاحات کی تفہیم ان کی بنیادی ضرورت ہے۔ عقیدہ اس ساری جدوجہد کا لازمی جز ہے۔ علم اور تصورات کو عمل میں ڈھالنے سے ہی عملی طور پر احیائے اسلام کی کوششوں میں پیش رفت ہوسکتی ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے چند اصطلاحات کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے:

● **خیال**: کسی بھی مادی یا غیر مادی چیز کے بارے میں ذہن میں کسی بات کے آنے کو خیال کہتے ہیں، اس کے لیے علم ضروری نہیں ہے۔

● **سوچ:** جب ذہن کسی خیال کے بارے میں مزید تفصیلات جاننے کی کوشش کرنے لگے تو ہم اسے 'سوچ' کہتے ہیں۔ اس کے کئی درجے ہوسکتے ہیں جس کے لیے 'علم' کی ضرورت ہوتی ہے۔

● **تصوّر:** سوچ جب ذہن میں ایک منظم شکل اختیار کرلے تو اسے 'تصوّر' کہا جاتا ہے۔ تصوّر کی تشکیل علم سے ہوتی ہے، لیکن یہ فی نفسہٖ ذہن کا ایک غیر عملی داعیہ ہے اور اس کی کوئی قیمت یا حیثیت نہیں ہوتی جب تک یہ عملی زندگی میں نظر نہ آئے۔

● **علم:** کسی چیز کے بارے میں کچھ 'جان لینا'۔ جب شعور کی سطح پر ہو اور غور و فکر کے نتیجے میں انسان کسی چیز کی حقیقت کو ایک حد تک سمجھ لے تو یہ 'علم' کہلاتا ہے۔ صرف معلومات کو 'علم' نہیں کہا جاسکتا۔ عام طور علم کو دینی اور دنیاوی علم میں تقسیم کیا جاتا ہے لیکن اسلام اسے 'علم نافع' اور 'غیر نافع' میں تقسیم کرتا ہے۔ علم نافع وہ ہے، جو اللہ کی مخلوق / انسانیت کے فائدے کے لیے استعمال ہو، غیر نافع وہ ہے جو مخلوق کے نقصان کا باعث بنے، چاہے وہ دین کا علم ہو یا دنیا کا۔ علم کی یہ تقسیم عمل میں اس کی تنفیذ کو فائدہ مند اور آسان بنا دیتی ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ علم کا بہترین استعمال اسی وقت اور اسی طریقے کے مطابق ہوسکتا ہے جو انسانوں اور تمام جہانوں کے ربّ نے خود ہمیں بتایا ہے اور اپنے محبوب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اسے عملی طور پر دکھا بھی دیا ہے۔ اس بنیاد پر جو علم انسان کا تعلق اپنے ربّ سے جوڑے، وہ اسلام کی نظر میں علم نافع اور جو ربّ سے دوری کا سبب بنے وہ غیر نافع ہوگا۔

● **دلیل:** یہ ہے وہ ہتھیار جو کسی مقصد کی وضاحت اور مقصود تک رہنمائی کا ذریعہ ہو اور جو کسی دعوے کو ثابت کرے۔ یہ عقلی دلیل بھی ہوسکتی ہے اور ماورائے عقل (ادراک) بھی۔ یہ براہِ راست حواس خمسہ کی بنیاد پر حصولِ علم کے نتیجے پر بھی ہوسکتی ہے، جیسے ہم بے شمار چیزوں کو اپنے علم کی بنیاد پر مانتے ہیں، جب کہ دلیل کسی دوسرے فرد یا افراد کے علم کی بنیاد پر بھی ہوسکتی ہے، مثلاً بہت سے لوگ کسی ملک کو نہ دیکھنے کے باجود اس کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایسے ہی علمِ وحی بھی علم اور دلیل کی ایک قسم ہے۔

● **ارادہ:** داعیہ اور ارادہ وہ کیفیت ہے جو انسان کو مستقبل میں کوئی نتیجہ حاصل کرنے کے لیے عمل پر اُبھارتا ہے، لیکن یہ بذات خود عمل کی ضمانت نہیں ہے۔ ارادہ کمزور سے مضبوط درجے

تک ہوسکتا ہے اور عمل میں اس کا اظہار ہی اس کا اصل پیمانہ ہے۔

● **عقیدہ:** عقیدہ وہ قوتِ محرکہ ہے جو علم، تصورات، دل و دماغ کی کیفیات و محسوسات، جذبات اور خواہشات پر اثر انداز ہوکر ہمارے رجحانات کا تعین کرتا ہے۔ دراصل شعور کی اساس اور عمل کی بنیاد یہی ہے۔ عقیدے کا تعلق براہ راست یقین سے ہے، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ باہم مترادف ہیں۔ یقین کے تین درجے ہیں جو بتدریج تصورات، علم و فہم اور دلیل کے نتیجے میں حاصل ہوتے ہیں: پہلی سطح کو علم الیقین، دوسری کو عین الیقین اور اعلیٰ ترین سطح کو حق الیقین کہا جاتا ہے۔ جب حق الیقین پیدا ہوجائے تو یہ عقیدے کا وہ درجہ ہے، جس میں انسان اپنے تمام جوارح سے اپنے علم کا عملی اظہار کرتا ہے۔

مسلمانوں کا اصل مسئلہ ذہنی سطح پر 'علم' اور 'تصور' میں پھنس کر رہ جانا ہے۔ یہ علم کو یقین سے گزارتے ہوئے عقیدے کی مطلوبہ عملی سطح پر تبدیل کرنے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں۔ آج مسلمانوں کی اکثریت میں آخرت، جنت، جہنم وغیرہ پر ایمان تصوّرات کی سطح پر ہے، وہ ان تصوّرات کے تذکرے سنتے، پڑھتے اور علم میں اضافہ بھی کرتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ ان کو اتنا جھنجوڑنے کا باعث نہیں بنتے جو عمل کا باعث بنے۔ وہ تصوّرات سے اوپر اٹھ کر عقیدے کی سطح پر نہیں آسکے۔ احیائے اسلام کی جو بھی تحریک اور حکمت عملی اپنائی جائے، اس میں عقیدے کی درستی اور پختگی کو لازمی جز کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کو کماحقہٗ توجہ اور اہمیت دینا ہوگی۔ یہ کام تحریک یا دنیا سے کٹ کر نہیں ہوسکتا بلکہ احیائے اسلام کی عملی جدوجہد کی بھٹی میں ہی اسے کندن بنایا جاسکتا ہے۔

● **قرآن سے تعلق:** عقیدے کی حقیقت کو سمجھنے اور دل میں اتارنے کے لیے پہلا اور لازمی قدم قرآن پر کماحقہٗ یقین اور اس سے مسلسل تعلق ہے، ایسا تعلق جو احیائے اسلام کی جدوجہد کے ہر موڑ میں راہنمائی کرسکے۔ قرآن ہمارے پاس لفظ بہ لفظ اسی حالت میں موجود ہے، جس طرح یہ ڈیڑھ ہزار سال پہلے نازل ہوا تھا۔ اِس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی کی کایا پلٹ دی تھی لیکن آج ہماری زندگی تبدیل نہیں ہورہی، حالانکہ قرآن تو وہی ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی میں کئی واقعات ملتے ہیں جن سے عملی زندگی میں عقیدہ کی حقیقت اور اہمیت کھل کر واضح ہوتی ہے۔

جب سورۂ آل عمران کی آیت ۹۲ نازل ہوئی لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۹۲ ''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم عزیز رکھتے ہو، اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا''، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیرحا کا 'محبوب ترین باغ' اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر کی بہترین زمین اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا محبوب ترین گھوڑا اللہ کی راہ میں دے دیا۔ اسی طرح جب تدریجی احکام کے بعد شراب کی حُرمت کا حکم آیا کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۹۰ (المائدہ ۵: ۹۰) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، اُمید ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہوگی''، تو مدینہ کی گلیوں میں منادی کرا دی گئی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ جو لوگ اس وقت شراب پی رہے تھے، انھوں نے ہونٹوں سے شراب کے پیالے ہٹا دیے، ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا تو اسے وہیں پھینک دیا، شراب کے پیالے، مٹکے اور گھڑے توڑ دیے گئے۔ حضرت حرام ابن ملحانؓ کے سینے میں ایک کافر نے نیزا گھونپا، سینے سے خون کا فوارہ چھوٹا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ پکار کر کہا کہ فزت برب الکعبۃ (ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا)۔ آخرت پر راسخ عقیدے کے بغیر ایسی حالت میں یہ الفاظ کسی کی زبان سے ادا نہیں ہوسکتے!

عقیدے کی حقیقت کو اس سطح پر سمجھنا اور دل میں اتارنا ہی دین کے احیاء کا باعث بنا۔ صحابہ رضوان اللہ اجمعین یہ سمجھتے تھے کہ قرآن ان کے عمل لیے نازل ہوا ہے، مگر ہم اسے ثواب کے لیے پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم قرآن پڑھتے تو ہیں، لیکن نتیجتاً عمل میں بمشکل ہی کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشّاف

ضمیر پر نزول ہی حق الیقین کی وہ سطح ہے، جو مطلوب ہے اور جو 'شہادت علی النفس' اور 'شہادت علی الناس' کا باعث بھی بنتی ہے۔

● **تصوّر اور عقیدے کا فرق:** تصور اور عقیدے (یقین) کے اسی فرق پر سنجیدگی سے

غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کو سمجھ لیا جائے تو اللہ کے فضل سے یہ احیائے اسلام کا ذریعہ بنے گا۔ اس بات کو دو مثالوں سے مزید واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

ہم روزانہ درجنوں مرتبہ نماز میں 'اللہ اکبر' کہتے ہیں اور یہی الفاظ 'اذان' میں بھی سنتے ہیں۔ اللہ کے 'اکبر' ہونے کا تصور ہمارے ذہن میں ہے، لیکن عملاً اس پر ہمارا عقیدہ/یقین نہیں ہے۔ ٹریفک پولیس کا سپاہی جب ہاتھ کھڑا کر کے ٹریفک روکنے کا اشارہ کرتا ہے تو کوئی گاڑی والا اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا، جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں پکار پکار کر کہتا ہے کہ گمراہی کے اس راستے پر جانے سے رُک جاؤ لیکن ہم اللہ کی بات پر نہ توجہ دیتے ہیں اور نہ اس راستے سے رُکتے ہیں۔

یہی صورت دوسرے اسمائے حسنیٰ کی بھی ہے۔ ہم اللہ کو علیم وخبیر کہتے اور مانتے ہیں۔ ہم لوگوں کے سامنے گناہ کرنے سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہوتا ہے کہ وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اللہ کے بارے میں ہم ایسا یقین نہیں رکھتے اور لوگوں سے چھپ کر اللہ کے سامنے گناہ کرنے سے نہیں کتراتے۔ اگر ہم واقعی اللہ کو علیم وخبیر سمجھتے تو کیا وہ کام کرتے جن سے اللہ نے منع کیا ہے؟ یہ غور وفکر کا مقام ہے کہ کیا ہم عملاً لوگوں کو علیم وخبیر سمجھتے ہیں یا اللہ کو؟ ہم اللہ کو حاکم کہتے ہیں لیکن عملی زندگی میں کسی فرد، ادارے یا قانون کو اللہ کی حاکمیت پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی معاملہ دوسرے اسمائے حسنیٰ کا بھی ہے۔

اصطلاحات کے 'لغوی' اور 'اصطلاحی معانی' کے ساتھ ان کے 'عملی معانی' کو جاننا اور اس کی روشنی میں اپنا انفرادی واجتماعی تجزیہ کرتے ہوئے کام کو آگے بڑھانا وہ بنیادی عنصر ہے جو احیائے اسلام کی کسی بھی تحریک اور حکمت عملی میں ممد ومعاون ثابت ہوگا۔

عقیدہ ہی علم وتصورات کو عمل میں ڈھالنے کا باعث بنتا ہے۔ احیائے اسلام کے لیے تمام جدید ذرائع کے شرعی حدود کے مطابق استعمال میں کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا، لیکن عقیدہ اس کی بنیادی ضرورت اور قوت ہے۔ اللہ، رسالت اور آخرت پر ایمان عقیدے کے اساسی اجزاء ہیں جن کے انفرادی اور اجتماعی، علمی اور عملی ادراک کے بغیر احیائے اسلام نہ ممکن ہوگا نہ پائیدار۔